© rasailojaraid.com

دینی مدارس میں اصلاحات: تجاویز اور مشورے

محترمہ رضیہ مدنی

انگریز کے دورِ حکومت میں برصغیر پاک و ہند کا تعلیمی نظام مسجد و مکتب کے دوستونوں پر قائم تھا۔ ہر مسجد کے ساتھ لازماً ایک مکتب ہوتا تھا جس میں مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہوتا تھا۔ مکتب کے علاوہ لنگر خانہ اور مسافر خانے کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ مسجد‘ مکتب‘ لنگر اور مسافر خانے کے انتظام و انصرام کے لیے درکار مالی وسائل کی ضرورت اس وقف شدہ جاگیر سے پوری ہوتی تھی جو مسلمان بادشاہوں کی طرف سے مسجد کے لیے عطیہ کی جاتی تھی۔ ان حالات میں ائمہ مساجد اور علمائے مکتب معاشی طور خود کفیل تھے اور معاشرے میں ایک باوقار زندگی گزار رہے تھے۔

مکتب میں طلبہ دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم میں منطق‘ فلسفہ‘ ریاضی‘ طب اور فلکیات وغیرہ کی تعلیم لازمی طور پر حاصل کرتے تھے۔ اس طرح دین اور دنیا دونوں کی تعلیم ایک ہی ادارے کی چھت کے نیچے دی جارہی تھی۔ ان مکاتب میں فارسی زبان ذریعہ تعلیم تھی جبکہ عربی زبان میں بھی تدریس ہوتی تھی‘ اور انہی مکاتب کے فارغ التحصیل طلبہ کو سرکاری مناصب حاصل ہوتے تھے۔

انگریز نے جب برصغیر پاک و ہند پر قبضہ کیا تو یہاں کے تعلیمی نظام کا جائزہ لینے کے بعد ایک نیا تعلیمی نظام پیش کیا جو دراصل دین و دنیا کی تفریق کا نظام تھا۔ ۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے نے برصغیر کے تعلیمی نظام کے حوالے سے جو تجویز پیش کی‘ اس میں دو باتیں اہم تھیں:

(۱) مساجد سے ان کی جاگیریں واپس لے لی گئیں‘ جس کی وجہ سے معاشرے میں مسجد اور مکتب کی نہ صرف مرکزی حیثیت ختم ہوگئی بلکہ ضروری مالی وسائل کی عدم موجودگی کے سبب سے ان کے لیے بقاء کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔

(۲) انگریزی کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا اور یہ طے کر دیا گیا کہ انگریزی زبان جاننے والے ہی کورٹ‘ کچہری‘ فوج اور دیگر سرکاری اداروں میں ملازمت حاصل کر سکیں گے۔

ان دو فیصلوں کے نتیجے میں مکتب کا نظام درہم برہم ہوکر رہ گیا۔ اسی دور میں دہلی اور دیوبند وغیرہ میں دینی مدارس کی بنیاد رکھی گئی‘ جن کی مالی ضروریات عوام کی طرف سے حاصل ہونے والی زکوٰۃ‘ صدقات اور عطیات وغیرہ سے پوری کی جاتی تھیں۔ ان مدارس میں دینی علوم کی تعلیم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور انگریزی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے فارغ التحصیل علماء کا کردار مسجد کی امامت کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا‘ الا ماشاء اللہ۔ دوسری طرف سرسید احمد خان نے دُنیوی اور انگریزی تعلیم کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح آج مدرسہ وسکول اور دار العلوم و یونیورسٹی کی تفریق کا نظام برصغیر پاک وہند میں دو متوازی تعلیمی نظاموں کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے' جس میں دار العلوم کے فارغ التحصیل اور یونیورسٹی گریجویٹ کے معاشرتی مقام' معاشی ضرورتوں کی تکمیل' معاشرے کی باگ ڈور سنبھالنے اور دنیاوی نظام کو چلا سکنے کی صلاحیت رکھنے میں واضح فرق موجود ہے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر دینی مدارس کا نصابِ تعلیم'تعلیمی نظام اور مقاصدِ تعلیم ہیں کہ جسے وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے۔اس سلسلے میں درج ذیل تجاویز پیش خدمت ہیں:

(۱) مدارس کے تعلیمی نظام اور پیداوار کے معاشرے میں غیر مؤثر ہونے کا ایک سبب فرقہ واریت کے منہج سے دینی اسباق کی تدریس ہے۔ دینی مدارس خالص کتاب وسنت کی تعلیم کی بجائے اپنے اپنے مسالک اور فرقوں کی تعلیم کے ادارے بن گئے ہیں۔ اور یہ دراصل انگریز کی سازش کا نتیجہ ہے کہ جنہوں نے برصغیر پاک وہند میں ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کے اصول پر حکومت کی ہے۔ مسلمانوں کو تقسیم کرنے کے لیے انہوں نے جو راستے اختیار کیے' ان میں کامیاب ترین مسلکی مناظروں اور فرقہ وارانہ اختلافات کی تبلیغ کا راستہ تھا' جس کے نتیجے میں وہ بغض پیدا ہوا کہ مخالف فرقے کے نمازیوں کا حالتِ نماز میں قتل بھی عین جہاد قرار پایا۔

(۲) دینی اور دنیاوی نظام تعلیم میں جو دوریاں پیدا ہوگئی ہیں' انہیں کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دینی مدارس کے منتظمین کو چاہیے کہ وہ بچوں کے لیے ایسی دنیاوی یا فنی تعلیم کا بھی بندوبست کریں کہ جسے وہ سند فراغت کے بعد معاشرے سے اپنی مالی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک وسیلہ کے طور استعمال کرسکیں۔ اسی طرح کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم میں بھی متعلقہ ڈگری کے بارے میں دینی معلومات اور خاص طور قرآن مجید کے ترجمہ کی تعلیم کا ایک مختص حصہ ہونا چاہیے تاکہ طلبہ گریجویٹ ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے انسان بھی ہوں کہ یہی دینی علوم کا مقصود ہے۔

اکثر دینی مدارس میں ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے' جیسا کہ ناظرہ' حفظ یا تجوید وغیرہ' جبکہ بعض میں درس نظامی کی تعلیم بھی ہے' لیکن تخصص (specialization) کی تعلیم بہت کم مدارس میں ہے' جبکہ ہم اس وقت ایک ایسے دور میں رہ رہے ہیں جو تخصص کا دور ہے۔ مدارس کو اس طرف خاص توجّہ دینی چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں متخصص طلبہ پیدا کریں۔ اور مدارس اگر تخصص ایسے موضوعات میں کروائیں جو دین اور دنیا کے امتزاج کو شامل ہوں تو معاشرے کو ایسے دینی رہنما حاصل ہوسکیں گے جو ایک طرف تو دینی علوم میں رسوخ رکھتے ہوں گے اور دوسری طرف معاشرے کی قیادت اور سیادت کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں گے۔

مدارس میں تعلیم کو جس قدر مرکزی توجہ حاصل ہے' اس نسبت سے تربیت کو بالکل بھی فوکس نہیں کیا گیا ہے۔ دینی تعلیم کا مقصد محض دینی معلومات کو ایک ڈکشنری کی صورت میں حافظے میں محفوظ کر لینا نہیں ہے' بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصیت کی تبدیلی اصل مطلوب ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی جو ذمہ داریاں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں‘ ان میں تعلیم کتاب وحکمت کے علاوہ تلاوتِ آیات اور تزکیہ نفس بھی ہے۔ دینی مدارس کے منتظمین کو چاہیے کہ وہ طلبہ میں ذوقِ عبادت کی بیداری‘ تہجد واذکار کے اہتمام‘ اخلاقِ حسنہ سے تزئین اور رذائل سے اجتناب کے سلسلے میں بھی تربیت کے وسائل اور ذرائع مہیا کریں۔ طلبہ کی تربیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نصاب تعلیم میں ’’تربیت وتزکیہ‘‘ کے نام سے ایک مادے کا اضافہ کر دیا جائے کہ جس سے طلبہ کی اس موضوع کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہو جائے‘ بلکہ تربیت ایک علمی مشق کا نام ہے کہ جس کے مربی اساتذہ درکار ہیں۔

مدارس میں غیر نصابی سرگرمیوں کی شدید ضرورت ہے‘ جس سے بچوں کی دیگر صلاحیتوں مثلاً تقریر اور تحریر وغیرہ کو اجاگر ہونے کا موقع ملے۔ اسی طرح مطالعاتی دورے بھی تعلیمی نظام کا حصہ ہونے چاہئیں۔ ہسپتال‘ قبرستان‘ آثار قدیمہ وغیرہ کے مطالعاتی دورے نہ صرف عبرت کا سامان فراہم کرنے کا سبب بن جائیں گے بلکہ خالق کی نعمتوں پر دل سے شکرگزاری کے جذبات بھی پیدا کر دیں گے۔ اس سلسلے میں طلبہ میں حسن قراءت‘ تقریر اور تحریر وغیرہ کے انعامی مقابلے کروائے جا سکتے ہیں۔ انہیں طہارت‘ یونیفارم کے صاف ستھرا ہونے‘ نشست وبرخاست کے سنت طریقوں کے اختیار کرنے پر ترغیبی انعام دیا جا سکتا ہے۔

مدارس میں جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ایسے وسائل اور ذرائع کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے جو لغویات میں شامل نہ ہوں اور تعلیم کے وقار اور سنجیدگی کو ختم نہ کریں‘ مثلاً کلاس میں پروجیکٹر اور سلائیڈز وغیرہ کا استعمال۔ اس طرح نہ صرف تدریس کو دلچسپ بنایا جا سکتا ہے بلکہ اسباق کی آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعے اس کے فائدے کو ہزاروں لوگوں تک عام کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ان اصلاحات کے لیے وسائل کا ہونا ضروری ہے لیکن وسائل کے حصول سے پہلے فکر اور سوچ کی تبدیلی اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لیے جذبے کا ہونا ضروری ہے۔ ❁❁❁

بقیہ: اسلامی نظریہ حیات

لیکن ان کا خیر وشر ہونا شرعی ہے[۱۸۴]۔ خیر وہ ہے جسے خالق نے خیر قرار دیا ہو اور شر وہ ہے جسے خالق نے شر کہا ہو۔[۱۸۵]

خالق کے فرمانبردار سے محبت کرنا اور اس کے باغی سے نفرت رکھنا اس پر ایمان کا حق ہے[۱۸۶]۔ لہٰذا دعوت کے اخلاق اور جہاد کے اخلاق میں فرق ہے[۱۸۷]۔ نیکی ’’حسن اخلاق‘‘ پیدا کرتی ہے جبکہ بدی ’’بدترین اخلاق‘‘ کو جنم دیتی ہے۔[۱۸۸]

بعض اخلاق جبلی ہیں اور اکثر ایمان سے پیدا ہوتے ہیں[۱۸۹]۔ ایمان اور اخلاق کا تعلق لازم وملزوم کا ہے[۱۹۰]۔ حسن اخلاق‘ کمالِ ایمان کا نتیجہ ہے[۱۹۱]۔ حسنِ اخلاق کی تکمیل محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ہوئی[۱۹۲]۔ لہٰذا بہترین اخلاق وہ ہیں جو اسوۂ حسنہ کی اتباع سے پیدا ہوتے ہیں۔[۱۹۳]

حواشی

اس مضمون کے حواشی (حوالہ جات اور وضاحتی نوٹ) اصل مضمون سے تقریباً تین گنا زیادہ صفحات پر محیط ہیں‘ جو یہاں شامل اشاعت نہیں کیے جا رہے۔ البتہ حواشی سمیت پورا مضمون ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org پر اَپ لوڈ کیا جا رہا ہے‘ جہاں پر مکمل مضمون ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اور اس کی سافٹ کاپی بھی ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہے۔ ❁❁❁

© rasailojaraid.com